زندہ سوالات

اسلام عہدِ حاضر میں

آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء سید علی نقی نقوی طاب ثراہ

اسلام تو ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَاللّٰہِ الْاِسْلَام اور اس کے ہمہ گیر دائرہ سے کائنات میں کسی کے نکلنے کا امکان ہی نہیں ہے۔ چاہے کوئی اختیاری طور پر اس کے قبول کرنے پر تیّار نہ ہو، تب بھی اضطراری طور پر اس کی پابندی کرنا ہے "وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَ كَرْهًا" لیکن وہ محرکات جو ارادی طور پر دین اسلام کو قبول کرنے کے متقاضی ہوں، مختلف ادوار میں کم اور زیادہ ہوسکتے ہیں۔ اور اسی اعتبار سے کسی عہد کے متعلق خصوصیت سے غور کیا جاسکتا ہے کہ اس میں قبول اسلام کے لئے فضا کی کیفیت کیا ہے؟

اس اعتبار سے جب دیکھا جاتا ہے تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ عہد حاضر سے زیادہ کبھی بھی اسلام کے لئے مناسب فضا نہ تھی۔ اور عہد حاضر اپنے خصوصیات میں جتنی ترقی کرتا جائے گا، اتنی اسلام کے لئے فضا زیادہ سازگار ہوتی جائے گی۔ اور دنیا شعوری طور پر نہ سہی تو لاشعوری طور پر اسلام سے زیادہ قریب آتی جائے گی۔ اس کے لئے مختصر طور پر چند پہلو پیش کئے جاتے ہیں۔

(۱)

وہ اور مذاہب ہوں گے، جنھوں نے عقل کے دروازے بند کئے ہیں اور تعقل وتفکّر سے خطرہ محسوس کیا ہے۔ اسلام نے ہمیشہ صاحبانِ عقل کو مخاطب کیا ہے اور تعقل وتفکّر سے کام لینے کی دعوت دی ہے، اس لئے دنیا کا تعقل وتفکّر کی طرف مائل ہونا، جو موجودہ دور کی خصوصیت ہے، اسلام کی حقانیت کے ثبوت کے لئے فال نیک ہے۔ اور جتنی جتنی دنیا غور وفکر سے زیادہ کام لینے پر آمادہ ہوگی، اتنی ہی حقائق اسلامیہ سے قریب آئے گی۔

(۲)

اسلامی تعلیمات عقل عمومی اور حاسۂ اجتماعی اور فطرت کے تقاضوں سے انتہائی ہم آہنگ ہیں۔

جو چیزیں اسلام کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہیں، وہ روایات قدیمہ کی پابندیاں، تقلید آباء اور موجودہ مذاہب کے رسوم کی زنجیریں ہیں۔

موجودہ دنیا کا لامذہبی رجحان اور قدیم رسوم سے بغاوت کا جذبہ جتنا ترقی کرے گا، اتنی وہ عقل وفطرت کے سچے فیصلوں کے قبول کرنے پر تیار ہوگی۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ لامذہبیت اس مذہب کے لئے زمین ہموار کرتی ہے جو عقل وضمیر کی تشنگی کو صحیح معنی میں بجھائے اور یوں سمجھنا چاہئے کہ اس خرابی میں تعمیر کی صورت پنہاں ہے اور یہ برق خرمن باطل کو نیست ونابود کرنے کے ساتھ دین حق کے لئے آشیانہ سازی کا کام انجام دے سکتی ہے۔

(۳)

غالبؔ نے جس نفسیاتی اور طبعی حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ:۔

"درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا"

اس کے مطابق موجودہ دور کی سائنسی ترقیوں نے الحاد کے ساتھ مل کر جو تباہ کاری پیدا کی ہے، اس نے انسانی قلب و ضمیر کو بہت بے اطمینان بنا دیا ہے، اور یہ بے اطمینانی اپنی انتہائی حدوں تک جا کر انسان کی کشتی ذہن کو ایک ساحل اطمینان کی تلاش پر مجبور کر رہی ہے، اور یہ اطمینان اسے صحیح معنی میں اسی خدا شناسی میں مل سکتا ہے، جس کے لئے قرآن نے ارشاد کیا ہے:۔

أَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ۔

اللہ کی یاد ہی سے بے قرار دلوں کو سکون و اطمینان کی دولت نصیب ہوتی ہے۔

(۴)

اسلام کا سب سے بڑا حریف اس آخری دور میں جو میدان میں آیا تھا، وہ کمیونزم تھا۔ مگر اسٹالن کے بعد سے اس میں جو اختلاف و انتشار پیدا ہوا ہے، اس نے اسے مادی حیثیت سے چاہے ابھی زیادہ کمزور نہ کیا ہو، مگر اعتقادی و عملی میدان میں اسے شکست فاش دے دی ہے، اس لئے کہ جن باتوں کا التزام مذہب کے خلاف عائد کر کے لوگوں کو اس سے منحرف کیا جاتا تھا، وہی سب باتیں خود کمیونزم میں سب کے سامنے آگئی ہیں۔ یہاں تک کہ اب اس کے اندر بھی فرقے پیدا ہو گئے جن کا اختلاف طشت از بام ہے۔ جس طرح اہل مذاہب بنامِ مذہب آپس میں لڑتے تھے، اسی طرح یہ فرقے کمیونزم کے نام پر آپس میں جنگ کر رہے ہیں۔ اس طرح جب کہ اسلام کے سب سے بڑے حریف کا جو اس دور میں تھا، تنزل شروع ہو گیا تو لازمی طور پر اس سے اسلام کے از سر نو ارتقاء کے لئے فضاء ساز گار ہو رہی ہے اور کوئی وجہ نہیں کہ آخر میں وہ اپنے سب سے آخری حریف کو مکمل شکست دے کر پوری قوت حاصل نہ کرے۔ اور اس کے بعد امکانِ قریب ہے کہ آخر میں تمام عالم پر چھا جائے جس کی خبریں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم متواتر احادیث میں دے چکے ہیں۔

(۵)

اسلامی تعلیمات کا فطرت سے بہت قریب ہونا، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ دنیا آزاد فکر سے کام لے کر شعوری یا لاشعوری طور پر بنام ''اصلاحات'' یا ''ترقیات'' شریعت اسلامی کے احکام کو قبول کر رہی ہے۔ مثلاً جہاں عقد بیوگان نہ تھا، وہاں عقد بیوگان کی ترویج کی کوشش ہوتی ہے۔ جہاں لڑکیوں کا میراث میں حصّہ نہ تھا، وہاں لڑکیوں کو میراث میں ترکہ ملنے کا قانون بنتا ہے۔ جہاں شادی کے بعد طلاق کا حق نہ تھا، وہاں قانون طلاق کا نفاذ ہوتا ہے۔ جنگ کا نام ''دفاع'' ہو گیا جو بالکل قرآنی اصطلاح کے مطابق ہے۔ ذات پات کی تقسیم کے غلط ہونے کا احساس سب کو ہے۔ کالے اور گورے کی تفریق کے حقوق انسانی میں باطل ہونے پر تمام متمدن دنیا متفق ہو گئی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ان چیزوں کے عملی طور پر نفاذ میں دشواریاں پیش آرہی ہوں مگر نظری طور پر اسلامی تصورات کے سامنے دنیا سر تسلیم خم کر چکی ہے۔ رفتہ رفتہ وہ منزل بھی آجائے گی کہ رکاوٹیں ختم ہوں اور یہ باتیں عملی طور پر بھی نفاذ پذیر ہو جائیں۔

(۶)

دنیا جس چیز کے لئے اس وقت سب سے زیادہ بے تاب ہے، وہ اخوّت اور مساوات ہے۔ اور اخوّت و مساوات کا جتنا مکمل درس قرآن نے دیا ہے، وہ دنیا کے کسی قانون اور نظام میں نہیں ملتا۔ اس لئے بھی دنیا اسلامی نظام کو قبول کرنے کے لئے کسی نہ کسی مرحلہ پر مجبور ہے۔

(۷)

دولت کی تقسیم کے بارے میں سرمایہ داری کے خراب نتائج کے ردعمل میں دنیا نے اشتراکیت کو قبول کیا، جو کہ اس راہ میں افراط کا نقطہ ہے۔ اب اس افراط کے خراب نتائج کا مشاہدہ کر کے اس نے قدم پیچھے ہٹانا شروع کر دیئے ہیں۔ چنانچہ روس وغیرہ میں محدود درجہ تک انفرادی ملکیت اور شخصی جائداد کے حق کو تسلیم کر لیا گیا ہے۔ اس طرح تفریط اور افراط کے دونوں نقطوں کے تجربہ کے بعد اس اعتدال ہی کی منزل رہ جاتی ہے جس کا اسلام علمبردار ہے۔

(۸)

سرمایہ داری اور اشتراکیت کا آپس کا ٹکراؤ جس میں ایک جانب امریکہ کی طاقت ہے اور دوسری طرف روس اور چین۔ اور دونوں ہی طرف قہّار طاقتیں ہیں، جو ترقی کی دوڑ میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ اس ٹکراؤ

کے نتیجہ میں ان کے درمیان ایک سرد جنگ بھی ہے اور وہ یہ کہ ہر ایک اپنے کو زیادہ سے زیادہ معتدل ثابت کر کے باقی غیر جانبدار دنیا میں مقبولیت حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہے اور کرتا رہے گا۔ اسی طرح ہر ایک کو لازم ہوگا کہ جو سرمایہ دار ہے، وہ زیادہ سے زیادہ ان خرابیوں کی اصلاح کرے جو سرمایہ داری کے ساتھ وابستہ ہیں، اور جو اشتراکیت کا علمبردار ہے وہ زیادہ سے زیادہ ان کمیوں کو دور کرے جو اشتراکیت کی انتہاء کا نتیجہ ہیں۔ اور ان دونوں کے پیچھے ہٹتے ہوئے قدم دونوں ہی کو اس مشترک منزل پر گلے ملنے میں مدد دے رہے ہیں، جو اسلام سے انہیں قریب سے قریب تر کر سکتی ہے۔

(۹)

مادّی نقطۂ نظر انسانی سفر کا آغاز دورِ وحشت سے بتاتا ہے، جہاں ہر فرد کی دنیا الگ ہوتی ہے۔ پھر اجتماعی زندگی کا احساس پیدا ہوا تو گھر بنے اور گھروں سے مل کر گھرانے بنے اور گھرانوں سے مل مل کر قبیلے بنے اور قبیلے متحد ہو کر ملک بنے اور کئی ملکوں کو ملا کر شہنشاہیتیں قائم ہوئیں۔ اس طرح رفتار ارتقاء انسانی کی صاف اس سمت کا پتہ دے رہی ہے کہ کثرتیں مٹ مٹ کر وحدتوں میں تبدیل ہوں۔ اب موجودہ دور میں رفتار ترقی یہاں تک پہنچی ہے کہ تمام دنیا دو۲ نقطوں پر بٹ گئی ہے: مشرق اور مغرب۔ اب مسائل پر یوں غور ہوتا ہے کہ کون چیز ایشیاء کے لئے زیادہ مفید ہے اور کون یورپ کے لئے؟ اب اس کے بعد کا قدم صرف یہ ہوسکتا ہے کہ یہ دونوں مل کر ایک ہوجائیں، جس کے لئے قرآن نے پہلے ہی دن یہ کہا تھا کہ **لِلّٰہِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ**۔ یہ مشرق و مغرب کا اختلاف کیسا؟! مشرق اور مغرب دونوں اللہ کے ہیں۔ اس طرح ارتقائے انسانی کا آخری نقطہ جس تک اب بلا فاصلہ دنیا جاسکتی ہے، وہ یہی ہے کہ خدا کی وحدت کے رشتہ سے تمام دنیا آپس میں یگانگی محسوس کرے اور وہ دن ہوسکتا ہے کہ جب **لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ کُلِّه** کا قرآنی وعدہ پورا ہو اور تمام دنیا قاف سے تا قاف اسلامی پرچم کے نیچے متحد نظر آ رہی ہو۔

(۱۰)

سب سے آخر میں رہنمایانِ اسلام کی زندگیوں کی پاکیزگی اور بلندی ہے۔ حضرت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق و تعلیمات، حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی زندگی اور بالخصوص دور خلافت کی سادگی اور مساوات پسندی اور انسانیت پروری۔ حضرت سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کی بے نظیر قربانی اور دیگر ائمہ طاہرین علیہم السلام اور ان تمام حضرات کے سچے پیروؤں کی زندگی کے نمونے۔ ان سب کو مذہبی اصطلاحات کا بوجھ ڈالے بغیر جو دوسرے افراد کو اجنبیت محسوس کرنے کا باعث ہوتے ہیں اور معجزات وغیرہ کے تذکرہ سے الگ کر کے جو موجودہ ذہن کو غور و فکر کے جادہ سے ہٹا دیتا ہے، صرف اخلاقی اور انسانی نقطۂ نظر سے اگر پیش کیا جائے، اور یہ کام بحمد اللہ کچھ اللہ کے بندوں کے ہاتھ سے شروع ہوگیا ہے، اور عادات و رسوم کی زلف گرہ گیر کے اسیر اس کی کتنی ہی مخالفت کریں، لیکن دنیائے حاضر کے تقاضوں کے لحاظ سے اس کے بحیثیت نتیجہ اصلح ہونے کی وجہ سے یہ کام آگے بڑھتا ہی جائے گا، قدم پیچھے ہٹنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

دنیا کے موجودہ ترقی یافتہ ذرائع نشر و اشاعت سے پورا پورا فائدہ اٹھا کر جتنا اس کام کو آگے بڑھایا جائے گا، ان اخلاقی تعلیمات اور سیرت کے بے نظیر مرقعوں کی جاذبیت دنیا کو اس مرکز کی طرف کشاں کشاں لانے کی باعث ہے اور آخر میں اس اسلام حقیقی پر دنیا کو مجتمع ہونا ہے جس کی یہ ہستیاں عملی مجسّمہ تھیں۔

تِلْکَ عَشَرَةٌ کَامِلَه۔ سر دست یہ دس پہلو مجملاً پیش کر دئے گئے ہیں جنھیں اگر پھیلا کر لکھا جائے تو اس موضوع پر کافی ضخیم کتاب تیار ہوسکتی ہے۔ (والسّلام)

قانونِ شریعت اسلامی میں ترمیم کے بارے میں ہمارا نظریہ

ہندوستان میں جب سے ملکی حکومت برسر اقتدار آئی ہے، وقتاً فوقتاً اسلامی شریعت میں ترمیم کی تجویز سامنے آتی رہتی ہے، اور ادھر چند سال سے اس میں قوت اور شدت پیدا ہوگئی ہے، جس میں مسلم ممالک میں بنام اصلاحات و ترقیات نافذ شدہ ترمیمات کی نظیر پیش کی جاتی ہے۔ ضرورت کا احساس اور بعض حضرات کی فرمائش محرک ہورہی ہے کہ میں شیعی نقطۂ نظر کو اس سلسلہ میں پیش کردوں جو مختصراً درج ذیل ہے۔

ہمارے نزدیک جو از روئے قرآن وحدیث ثابت ہے اور عقل سلیم بھی اس پر مہر تصدیق ثبت کئے ہوئے ہے، وہ یہ ہے کہ قانون شریعت کا واضع خداوند عالم ہے خود پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی واضع قانون کی حیثیت حاصل نہیں ہے، بلکہ آپ مبلغ قانون تھے:۔

ثُمَّ جَعَلْنَاکَ عَلٰی شَرِیْعَةٍ مِنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا (سورہ جاثیہ، ۱۷) وَلَاتَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِکُمْ عَنْ سَبِیْلِه۔ (سورہ انعام، ۱۵۳)

اس طرح حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی متبع ہیں۔ معاذ اللہ متبوع نہیں ہیں (اِنْ اَتَّبِعُ اِلاَّ مَا یُوْحیٰ اِلَیَّ) اور مسلمانوں کا فریضہ یہ ہے کہ وہ رسولؐ کا اتباع کریں۔ (قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِی) اور رسولؐ کے اتباع کے معنی ہیں اس قانون کا اتباع جو ان کے ساتھ آیا ہے (فَالَّذِیْنَ آمَنُوا بِه وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُو النُّوْرَ الَّذِیْ اُنْزِلَ مَعَهٗ اُوْلٰئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ) (اعراف، ۱۵۷) یہ نور جو آپ کے ساتھ آیا ہے انہی احکام کا ہے جو قانونِ شریعت کی صورت میں آپ کے ذریعہ سے نافذ ہیں اور جن کے ذریعہ سے سابقہ شریعتوں کو منسوخ کیا گیا ہے۔ (یَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ لَاَغْلَالَ الَّتِی کَانَتْ عَلَیْهِمْ) اور یہ اتباع اس ایمان کا جو پہلے نمبر پر آیا ہے ایک عملی تقاضا ہے اور اس اتباع کے خلاف راستہ اختیار کرنا اور اس قانون کے دفعات میں ترمیم کرنا رسول اللہؐ کے مقابلہ میں مشاقہ ہے جسے غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُومِنِیْن کہتے ہوئے اس پر وعید عذاب کیا گیا ہے (وَمَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَاتَبَیَّنَ لَهُ الْهُدٰی وَ یَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُومِنِیْنَ نُوَلِّه مَا تَوَلّٰی وَنُصْلِه جَهَنَّمَ وَ سَائَتْ مَصِیْرًا۔)

چونکہ ایمان بالرسالۃ کسی ایک دور سے مخصوص نہیں، اس لئے شریعت رسولؐ سے کسی دور میں بھی مسلمانوں کو انحراف جائز نہیں ہوسکتا (لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِیْلاً وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَحْوِیْلاً)

بے شک پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے تبلیغ احکام بمقتضائے اسباب وظروف تدریجی طور پر ہوئی، اس لئے کچھ احکام شرعی نصوص کے تحت میں عام مسلمانوں کو معلوم ہوئے، اور کچھ جن کی تبلیغ کے مواقع آپ کے سامنے نہیں آئے، ان کے لئے منظور خالق یہ ہوا کہ وہ آپ کے نائبین خاص کے پاس مخزون ہوں، جو اولی الامر ہیں تاکہ وہ بمقتضائے محل ان کی تبلیغ فرماتے رہیں اور اس لئے جب بحکم الٰہی (بَلِّغْ مَااُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَبِّکَ) اس سلسلہ کی پہلی کڑی کا اعلان ملأ عام میں اور اس طرح قیامت تک کی ہدایت کا سامان ہوگیا تو تکمیل دین کا بھی اعلان آگیا) (اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْناً) (سورہ مائدہ، ۳)

اس طرح ائمہ معصومین علیہم السلام نے بھی جو احکام شرع بیان کئے، وہ بتوسط رسولؐ احکام الٰہی کی ترجمانی ہی کی حیثیت رکھتے تھے، نہ یہ کہ وہ معاذ اللہ خود احکام تراشتے اور قوانین بناتے تھے۔

پھر جب کہ نظام زندگی کے احکام وقوانین بنانے کا اختیار ہمارے نزدیک پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے معصوم نائبین علیہم السلام کو نہیں تو کسی جائز الخطا انسان کو وضع قوانین و احکام کا حق کس طرح ہوسکتا ہے۔

جو اس طرح کا حکم قرار دیا جائے گا وہ بدعت کا مصداق ہوگا جس کے لئے حدیث ہے: کُلُّ بِدْعَۃٍ ضَلَالَۃٌ وَ الضَّلَالَۃُ فِی النَّارِ۔

ہمارے نزدیک بدعت کسی نئے کام کو نہیں کہتے بلکہ شریعت میں کسی قسم کی ترمیم و تنسیخ ہی کو کہتے ہیں، خواہ بصورت اضافہ ہو خواہ بصورت کمی اور خواہ بصورت تبدیلی۔

بے شک ہمارے نزدیک ''اجتہاد'' کا دروازہ کھلا ہوا ہے مگر اجتہاد کے معنی تحصیل حکم شرعی کی کوشش کے ہیں، نہ کہ تشکیل حکم شرعی کی کاوش۔

اس کی مختصر تفصیل یہ ہے کہ اگر چہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے نائبین کے ذریعہ سے زندگی کے مکمل قانون کی تبلیغ ہوگئی تھی مگر اس کے بعض جزئیات امتداد زمانہ سے ہم تک نہیں پہنچ سکے، اس طرح کثیر التعداد احکام تو نصوص سے ثابت ہیں، مگر کچھ احکام کے بارے میں تلاش سے نصوص دستیاب نہیں ہوتے۔

جو احکام نصوص سے ثابت ہو جائیں، ان میں اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس لئے ہمارا قطعی طور پر مسلّمہ ہے کہ ''اجتہاد فی مقابلۃِ النّص'' حرام ہے۔

ہاں ان ادلۂ شرعیہ کی دلالت میں اگر کوئی علمی پیچیدگی ہو جیسے بعض الفاظ مشترک ہوتے ہیں، ان میں معانی کی تعین قرآن سے ہوتی ہے یا الفاظ کے مجازی معنی پر محمول ہونے کا قرائن کی بناء پر امکان معلوم ہوتا ہو یا عمومات ہوں جن کی تخصیص کا احتمال ہو یا اطلاق ہو اور اس میں قیود ثابت ہونے کے کچھ وجوہ محسوس ہوتے ہوں تو ان میں معانی کی تعیّن کے لئے اجتہاد کی گنجائش ہے۔

بعض جگہ نصوص مختلف نظر آتے ہیں تو ان میں جمع یا ترجیح کے لئے اجتہاد ہوتا ہے یا وہ چیزیں جن میں نص ہم تک پہنچا نہیں تو ان قواعد شرعیہ یا اصول عملیہ کو دیکھنا ہوتا ہے جو از روئے شرع عمومی طور پر ثابت ہوئے ہیں اور اب سمجھنا ہوتا ہے کہ یہ محل ان میں سے کس قاعدہ یا اصل کے تحت میں داخل ہوتا ہے۔

یہ اجتہاد کی ضرورت ہمیشہ سے تھی اور ہمیشہ قائم رہے گی۔ اور اس کا دروازہ بند نہیں ہوسکتا مگر جیسا کہ پہلے لکھا گیا اس کی حیثیت تحصیل حکم شرعی کی کوشش ہی تک محدود رہ سکتی ہے۔ کسی حکم ثابت شدہ میں ترمیم یا کسی نئے حکم کی تشکیل کا دروازہ وحی کے دروازہ کے بند ہونے کے ساتھ ہمیشہ کے لئے بند ہو چکا ہے، اور اس کا حق نہ کسی ایک مسلمان کو ہے اور نہ تمام مسلمانوں کو مل کر ہے اور نہ کسی بھی حکومت کو ہے، خواہ وہ مسلمانوں کی حکومت ہو اور جو اس قسم کی بات کہیں بھی ہوئی ہو، خواہ وہ مسلم حکومتوں کی جانب سے ہو، وہ ہمارے نزدیک اسلام کے خلاف ہے۔

خدا اور مذہب

(لارڈ رسل کے خیالات کا منطقی جائزہ)

میرے ہندوستانی مخلص احباب میں جو تقسیم ہند کے بعد پاکستانی ہوگئے ایک سید ظہور الحسن صاحب نقوی ایم۔ اے۔ (رسول نگر ضلع گجرانوالہ پنجاب ہیں) انہوں نے کافی دن ہوئے کہ ایک انگریز مشہور مصنّف لارڈ رسل کی کتاب ''تاریخ فلسفۂ مغرب'' دیکھ کر محسوس کیا کہ وہ شدت سے منکر خدا ہیں تو انہوں نے خط و کتابت سے ان کے ساتھ تبادلۂ خیالات کرنا چاہا۔ ان کے خط کے جواب میں لارڈ رسل نے لکھا کہ ''میری کتاب'' میں کیوں نصرانی نہیں ہوں''؟ پڑھ لیجئے''۔ اس بناء پر سید صاحب نے وہ کتاب خریدی اور اس کے کچھ مضامین کا خلاصہ تبصرہ کے لیے میرے پاس بھیج دیا۔

چنانچہ ذیل میں لارڈ رسل کے کچھ فرمودات پر مجملاً منطقی تبصرہ کیا جاتا ہے۔

سید صاحب یا کوئی اور صاحب اصل انگریزی کے اقتباسات دے کر میرے معروضات کی روشنی میں انگریزی ہی میں اس پر ریویو فی الجملہ تفصیل کے ساتھ لکھ دیں تو میری اس کاوش قلمی کا کچھ ماحصل ہوسکتا ہے۔ والسّلام علی نقی النقوی

۳/ جمادی الثانی ۱۳۹۰ھ (علی گڑھ)

لارڈرسل کے نام کے ساتھ واوین (’’) کے بعد ان کا کلام ہے اور اس کے ختم ہونے پر دوسرے واوین (‘‘) کے بعد جو ہے وہ میرا تبصرہ ہے۔

لارڈ رسل:

’’میں تمام ادیان عالم یعنی بدھ مت، ہندومت، نصرانیت اور اسلام کو جھوٹا اور نقصان دہ سمجھتا ہوں۔ نہایت آسان اور قابل فہم منطق یہ ہے کہ چوں کہ یہ سب ادیان آپس میں شدید اصولی اختلاف رکھتے ہیں۔ اس لئے ان میں سے ایک بھی سچا نہیں۔‘‘

مصنّف:

جس منطق کو بہت آسان اور قابل فہم کہا جا رہا ہے اس کے لئے یہ منطقی بات کیا غور کے قابل نہیں ہے کہ آپس میں شدید اصولی اختلاف رکھنا اس پر تو دلالت یقینا کرتا ہے کہ یہ تمام ادیان ایک ساتھ حق نہیں ہیں لیکن ان میں سے ایک حق ہو اور باقی باطل ہوں تو اس صورت میں لازماً کیا اختلاف نہ ہوگا؟

پھر جب کہ اختلاف ہونے کی صورت میں عقلاً دونوں صورتیں ممکن ہیں۔ یہ بھی کہ سب باطل ہوں اور یہ بھی کہ ایک حق ہو اور باقی باطل ہوں یعنی وجود اختلاف عام ہے اور باطل ہونا تمام کا (بلا استثناء) خاص ہے کیونکہ اختلاف کی صورت کی یہ ایک ممکن شکل ہے جس کے ساتھ دوسری شکل بھی موجود ہے کہ ایک ان میں سے حق ہو اور باقی باطل ہوں اور منطقی طور پر یہ ناقابل انکار حقیقت ہے کہ عام کی دلالت خاص پر نہیں ہوتی تو وجود اختلاف سب کے باطل ہونے کی دلیل نہیں ہوسکتا بلکہ اس اختلاف کے بعد عقلاً فکر و نظر اور تحقیق و تفتیش کی ضرورت ہے کہ ان میں سے کوئی ایک حق تو نہیں ہے اور اگر کوئی ایک حق ہے تو وہ ان میں سے کون ہے؟

(۲)

رسل:

’’صنعت تخلیق کی دلیل کو ڈارون نے پاش پاش کر دیا۔‘‘

مصنّف:

اوّل تو ڈارون کا پورا تصوّر صرف ظنّی اور تخمینی باتوں پر مبنی ہے جس کے لئے بلا وجہ یہ پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے کہ وہ مشاہدہ پر مبنی ہے حالاں کہ بعض کڑیاں اس کی اب تک مشاہدہ میں نہیں آئیں اور ان کی خانہ پری صرف خیال آرائیوں سے کی جاتی ہے۔

پھر یہ کہ ڈارون کے فلسفہ سے صرف تخلیق کے روایتی نظام میں شکوک وشبہات پیدا ہو سکتے ہیں لیکن کائنات میں حکیم مصالح کا وجود جو ایک صانع حکیم کی ہستی کا پتہ دیتا ہے ڈارون کے خیالات سے بھی شکستہ نہیں ہوتا اور اسی لئے یورپ کے سائنس دانوں میں وجود خدا پر عقیدہ بڑھتا جاتا ہے، اگر وجود خدا کا قلعہ جیسا کہ رسل کا خیال ہے ڈارون نے پاش پاش کر دیا تو جوڈ وغیرہ جو ڈارون کے بعد پیدا ہوئے ہیں خدا کے وجود پر کتابیں کیوں لکھ رہے ہیں۔؟

(۳)

رسل:

’’میں کہتا ہوں کہ کیا ایک قادر و ناظر و کریم معبود جو اپنی بہترین مخلوق انسان کو لانے کے لئے لاکھوں سال تک کائنات کو سنوارتا اور سجاتا ہے، اس بات سے خوش ہوسکتا ہے کہ وہ انسان جب اپنے اوج کمال پر پہونچے اور ستاروں اور سیاروں پر کمند ڈالنے لگے تو اس میں سے ہٹلر، اسٹالن اور ہائیڈروجن بم پیدا ہوں؟‘‘

مصنّف:

اس میں متعدد نظری کمزوریاں ہیں سب سے پہلے بہترین مخلوق معیار۔۔۔۔۔۔کے خیال میں شاید بہترین مخلوق کا معیار یہ تھا کہ انسان جبری طور پر اچھے صفات نیکی اور بھلائی کا پابند پیدا کیا گیا ہوتا تو پھر یہ انسان بہترین مخلوق ہوتا ہی کہاں؟ وہ تو کنکر پتھر۔ گھانس، پھونس اور درخت، چرند و پرند، سب کی طرح کچھ خاص خواص اور طبعی تقاضوں کا غلام ہوتا، اس کی بہتری تو اس کے

جوہراختیار سے وابستہ ہے اور اسی اختیار کے جوہر کا محسوس ثبوت یہ ہے کہ اس میں ''موسیٰؑ'' بھی ہوتا ہے اور فرعون بھی، ابراہیمؑ بھی اور نمرود بھی اور آخر میں ہٹلر اور اسٹالن بھی ۔ اور خطا معاف لارڈ رسل بھی جو اس کے وجود کا انکار کر رہے ہیں اور میں بھی جو ان کا جواب دے رہا ہوں۔

یہ کہ ''کیا وہ اس سے خوش ہوسکتا ہے کہ ایسے اشخاص اس میں پیدا ہوں'' اس کا جواب یہ ہے کہ خوش کبھی نہیں ہوتا بلکہ غضبناک ہوتا ہے مگر اس غضب کا اظہار اس کی طاقتِ اختیار کے سلب کرنے سے نہیں ہوتا بلکہ انھیں موقع دینے سے ہوتا ہے کہ جتنا ان کا امکان ہے وہ شرارت اور شیطنت کر لیں، پھر وہ ان کے عمل کی پاداش جو ہو وہ انھیں دیتا ہے۔

یاد رکھنا چاہئے کہ وہ مادی ترقی جس سے ہٹلر، اسٹالن اور ہائیڈروجن بم پیدا ہوئے ہیں انسان کا اوج کمال ہے ہی نہیں بلکہ انتہائی انحطاط ہے جو اس کے سوءِ اختیار کا نتیجہ ہے اوج کمال کا مظہر تو وہ افرادِ انسانی ہیں جو طاقت واختیار رکھتے ہوئے عملاً فرشتہ رہے، اس لئے فرشتوں سے برتر ہو گئے۔

(۴)

رسل:

''کہا جاتا ہے کہ اس کائنات میں ہر چیز کا ایک سبب ہے۔ جب آپ پیچھے کو ہٹتے جائیں گے تو اسباب وعلل کا ایک ذخیرہ بن جائے گا اور آخر میں آپ خدا تک پہونچیں گے۔ خواہ مخواہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خدا کی علّت کیا ہے؟ یعنی جب آپ کہتے ہیں مجھ کو خدا نے بنایا۔ پوچھنے والا پوچھ سکتا ہے کہ خدا کو کس نے بنایا؟ یہ سادہ سا سوال اس دلیل کے التباس کو واضح کر دیتا ہے۔''

مصنّف:

یہ جسے چودہ سو برس کے ذہنی ارتقاء کے بعد لارڈ رسل سا شخص ایک منطقی سوال کی طرح سامنے لا رہا ہے، دورِ جاہلیت کے خوگر سادہ دماغوں کی طرف سے بطور ایک وسوسہ کے پہلی ہی صدی میں سامنے لے آیا گیا تھا جس کا ذکر دوسری صدی میں تدوین شدہ صحیح مسلم کی کئی حدیثوں میں موجود ہے۔ مگر یہ سوال قطعاً بے بنیاد ثابت ہوگا جب یہ سمجھ لیجئے کہ اس میں علّت اولیٰ کی جو دلیل پیش کی گئی ہے اس کے بنیادی جزء میں جو منطق کے لحاظ سے ''کبریٰ'' کی حیثیت رکھتا ہے ایک ذرا سا مگر بہت بڑا تصرف کر دیا گیا ہے۔

وجودِ خدا کی دلیل کا مقدمہ یہ دیا گیا ہے کہ ''اس کائنات میں ہر چیز کا ایک سبب ہے'' اس جملہ میں ''اس کائنات'' کے بجائے اصل دلیل میں ''ممکنات'' کی لفظ ہے یعنی جملہ یوں ہے کہ ممکنات میں ہر شے کا ایک سبب ہے۔'' اور اس دلیل کا تتمہ یہ ہے کہ اس سلسلہ کو ختم ہونا چاہیئے۔ ایک ذات پر جو واجب الوجود ہو وہ واجب الوجود ذات خدا ہے۔

اب رسل صاحب کا سوال ختم ہوگیا۔ بے شک خدا کو بھی ''ممکن'' سمجھا جائے تو اس کے لئے بھی خالق کی ضرورت ہوگی مگر پھر وہ خدا ہووے ہی گا کب؟ خدا تو نام اسی کا ہے جو واجب الوجود ہو اور جب واجب الوجود ہے یعنی بذات خود موجود ہے، تو اس کے لئے علّتِ سبب پیدا کرنے والے کا سوال اٹھانا غلط ہے۔

(۵)

رسل:

''نظامِ کائنات میں نوامیس فطرت کارفرما ہیں۔ پھر خدا خود پابندِ قانون ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ نوامیس فطرت اوامر الٰہی سے خارج اور خدا سے ماقبل ہیں۔''

مصنّف:

ظاہر ہے کہ ایک انسان کے مزاعم وخیالات خود اس کے لئے دلیل نہیں بن سکتے۔ رسل نے نوامیس فطرت یعنی نظامِ عادت کو ناقابل تبدیل مان لیا تو یہ نتیجہ نکالا کہ خدا خود پابند قانون ہے۔

لیکن ہمارے سامنے واقعات ہیں کہ جہاں نوامیس فطرت شکستہ ہو گئے۔ آگ کا کام جلانا ہے مگر وہ نہیں جلاتی۔ پانی کا کام ڈبونا ہے مگر نہیں ڈبوتا۔ جسم انسانی کشش مرکز سے زمین کی

طرف آتا ہے مگر ایک انسان ہے جو اس کشش کے حدود سے نکل کر فضائے بسیط کا سفر کرتا ہے اور پھر ارادۃً واپس آتا ہے اس لئے نوامیس فطرت کے نظام کو ہم کسی قانون گزار کا فعل ارادی ماننے پر مجبور ہیں، خدا اپنے نظامِ حکمت کے تقاضا سے عام طور پر ارادۃً قانون کو قائم رکھتا ہے مگر جب چاہتا ہے تو شکستہ بھی کر دیتا ہے تو قانون اس کا پابند ہوا۔ وہ قانون کا پابند نہیں ہوا۔ اور اس لئے لازماً نوامیس فطرت اس کے بعد ہیں۔ جس ذات کا نقطۂ ابتداء کوئی ہو ہی نہ۔ یعنی خدا۔ اس سے ماقبل کا تصور ہی کہاں ممکن ہے۔

(۶)

رسل:

''کہتے ہیں کہ دنیا میں ہر چیز اس طرح خلق کی گئی ہے کہ ہم اس میں سہولت سے بسر کر سکیں اور اگر یہ ذرا مختلف ہوتی تو ہم اس طرح نہ رہ سکتے۔ مگر ڈارون کے وقت سے ہم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ زندہ مخلوق اپنے ماحول میں ڈھل جاتی ہے۔ یہ نہیں کہ ماحول ان کے مناسب حال بنا دیا جاتا ہے بلکہ وہ ماحول کے مطابق ہو جاتی ہے۔''

مصنّف:

اگر یہ بات کلیۃً ٹھیک مانی جائے تو مچھلی کو پانی کے باہر آکر مرنا نہیں چاہیئے اور انسان کو پانی کے اندر جا کر ڈوبنا نہیں چاہیئے بلکہ ہر ایک اپنے کو ماحول کے مطابق بنا لے اگر ایسا ہوتا تو ہم مان سکتے کہ پانی نہ ہوتا، ہوا نہ ہوتی تو بھی زندہ مخلوق کسی نہ کسی طرح اپنے کو ماحول کے مطابق ڈھال لیتا۔ پھر معلوم نہیں سیّارات پر جانے والوں کو یہ فکر کیوں ہے کہ وہاں بغیر ہوا کے زندہ کیونکر رہیں گے؟ لہٰذا ہوا کا ذخیرہ اپنے ساتھ لے جانا چاہیئے۔

یہ مشاہدہ تو بتلاتا ہے کہ بسر کرنے کے سامان پہلے مہیّا ہوتے ہیں۔ تب ان ضروریات کی محتاج مخلوق وہاں لائی جاتی ہے۔

(۷)

رسل:

''پروفیسر کانٹ نے مذکورۂ بالا ہر سہ دلیل کو بالکل قطع کر دیا مگر ایک نئی دلیل وجود خالق پر ایجاد کر دی اور وہ اخلاقی دلیل ہے۔ اس کی کئی صورتیں ہیں۔''

مصنّف:

قطع نظر اس سے کہ کانٹ نے مذکورۂ بالا دلیلوں کی رد جو کی وہ درست ہے یا نہیں اور جو خود اپنی دلیل قائم کی وہ مستحکم ہے یا نہیں جناب رسل نے اس کی رد میں جو کہا ہے، اس کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

رسل:

''کانٹ کا کہنا ہے کہ اچھے اور برے کا کوئی انجام ہونا چاہیئے اس کے لئے روز آخرت کی ضرورت ہے اور آخرت کا فیصلہ بغیر خدا کے وجود کے نہیں ہو سکتا مگر ہم کہتے ہیں کہ جب دنیا میں عدل نہیں تو آخرت میں عدل کہاں ہوگا۔''

مصنّف:

جناب رسل نے جواب میں جو طریقہ اختیار کیا ہے اسے منطق میں تمثیل کہتے ہیں اور فقہ میں ''قیاس'' اس سے ہمیشہ گمان پیدا ہوتا ہے جو بہت دفعہ غلط ہوتا ہے۔

پھر قیاس مع الفارق تو سب ہی کے نزدیک غلط ہے۔ دنیا جب عمل کا میدان قرار دی گئی ہے تو اس میں اچھے برے سب کو ہر طرح کی آسانیاں ہونا ہی چاہئیں۔ آخرت کا جو منزل جزا و سزا ہے اس پر قیاس کہاں درست ہو سکتا ہے؟ یہ ایسا ہے جیسے کہا جائے کہ جب امتحان کے کمرے میں قابل اور نا قابل کا کوئی فرق نہیں اور سب کے لئے یکساں طور پر آسانیاں ہیں تو بھلا نتیجہ میں فرق کہاں ہو سکتا ہے؟ کیا یہ منطق مضحکہ خیز نہیں ہے؟

یاد رکھنا چاہیئے کہ آخرت میں عدالت ہو ہی نہیں سکتی جب تک کہ اس دنیا میں ان لوگوں کو جو بڑے سے بڑے جرائم کے ارتکاب کے جراثیم رکھتے ہیں پورا پورا موقع نہ دیا جائے کہ وہ جو کرنا چاہیں کر سکیں۔ (بقیہ۔۔۔صفحہ ۵۴ پر)

رحیم اپنی رحیمی کا تصدق کریم اپنی کریمی کا تصدق
تصدق رحمۃ لِلعٰلمیں کا تصدق مصطفیٰؐ کے جانشیں کا
برائے سیدۂ خاتون محشر برائے حضرت شبیرؑ و شبرؑ
تصدق سب امامان ہدیٰ کا تصدق تابعان مصطفیٰؐ کا
نبی کے دین کے حاکم کا صدقہ جناب حجت قائمؑ کا صدقہ
طلب کرتا ہوں جو کچھ وہ عطا ہو مرے دل کا ہر اک مطلب روا ہو
مناسب ہے بس اب اتمام تقریظ بحمد اللہ ہوا انجام تقریظ



بقیہ۔۔۔خدااور مذہب

(۸)

لارڈ رسل انبیاء ومرسلین اور رہنمایان دین کو امی اور (معاذ اللہ) جاہل کہہ کر استخفاف کرتے ہیں حالاں کہ یاد رکھنا چاہیئے کہ جس طرح وجود ممکنات کے سلسلہ کو ایک واجب الوجود تک منتہی ماننا ضروری ہے (چاہے رسل اسے نہ مانیں) اسی طرح ''علم'' اگر واقعی علم ہے تو اسے آخر میں ''علم وہبی'' پر منتہی ماننا لازم ہے۔انبیاؑ اسی علم وہبی کے حامل ہوتے تھے جس کے نتیجہ میں دنیا ہر صحیح علم میں پھر نظر واکتساب سے آگے بڑھی۔

اگر صرف کتابوں کا پڑھنا معیار علم ہے تو وہ مصنفین جن کے تصانیف نصاب درس میں داخل ہوتے ہیں ظاہر ہے کہ ان تصانیف کو پڑھے ہوئے نہ تھے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس سے وہ جاہل تھے مگر انہوں نے ایسی کتابیں لکھ دیں جن کو پڑھ کر لوگ آج عالم بنتے ہیں۔

ایسے ہی انبیاء دنیا کی کتابوں کے علم کو پڑھ کر عالم نہیں ہوا کرتے تھے مگر ان کے ذریعہ سے دنیا میں بے شمار علماء پیدا ہو گئے۔

(۹)

رسل:

''ہماری علمی دنیا میں یہ رجحان ہے کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ مذہبی تعلیم سچّی ہے یا نہیں، دیکھنا یہ چاہیئے کہ وہ تعلیم مفید ہے یا نہیں۔''

یہ دنیا جسے علمی دنیا کہا گیا ہے اگر کوئی جاہلانہ رجحان قائم کرے تو وہ صرف اس لئے کہ ''علمی دنیا'' کی طرف نسبت رکھتا ہے صحیح تو نہیں ہو جائے گا۔فائدہ اور نقصان کے اقدار ذہنیت کے لحاظ سے بدلتے ہیں یوں تو ایک ڈاکو کے نزدیک وہ کاروبار بہت مفید ہے مگر اخلاق کے نقطۂ نظر سے وہ انتہائی تباہ کن ہے، ویسے ہی یہ خیال کہ کوئی عقیدہ غلط بھی ہو تو اس کی غلطی میں کوئی حرج نہیں جب کہ وہ مفید ہو۔

علم کا فیصلہ حقیقۃً یہ ہے کہ ذہنی گمراہی یعنی غلط بات کا ماننا خود ہی بہت بڑا نقصان ہے۔

اگر رسل صاحب کے پیمانہ پر ناپا جائے تو الٰہیات ہی نہیں بلکہ ریاضی اور فلسفہ اور تاریخ کے کلاسوں کو بھی یونیورسٹیوں سے توڑ دینا چاہیئے اس لیے کہ اس میں نقصان ہی کیا ہوتا ہے کہ دو اور دو کے مجموعہ کو پانچ مان لیا جائے۔اور اس سمجھنے میں بھلا افادیت ہی کیا ہے کہ اہرام مصر کے بانی کون لوگ تھے؟ اور اس سمجھنے سے فائدہ ہی کیا ہوگا کہ اشوک کا زمانہ حکومت قبل مسیح تھا یا بعد مسیح وغیرہ وغیرہ۔

یہ تصور اگر علمی دنیا کی ان سرگرمیوں سے جو ان وقتوں میں ہو رہی ہیں غلط ثابت ہوتا ہے تو مذہب پر بھی یہ اعتراض کہ عقائد کتنے ہی غلط ہوں بس یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ وہ مفید ہیں یا نہیں، غلط قرار پانا چاہیئے۔